Scan: http://www.new.dli.ernet.in/
PDF: http://www.KetabFarsi.com

بعنایات احمدی و بہ سرپرستی اعلیحضرت حضور نظام عالی مقام خلد اللہ ملکہ

من عشق و عف فمات فهو شهید

خطاب این کتاب عاشق بهر
دولرانی خضرخان ماند در دهر

مثنوی

دولرانی خضرخان

حضرت امیر خسرو دہلوی

بہ تصحیح و تنقید جناب مولانا رشید احمد صاحب سالم انصاری
باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ میں طبع ہوئی

سنہ ۱۳۳۶ھ
۱۹۱۷ء

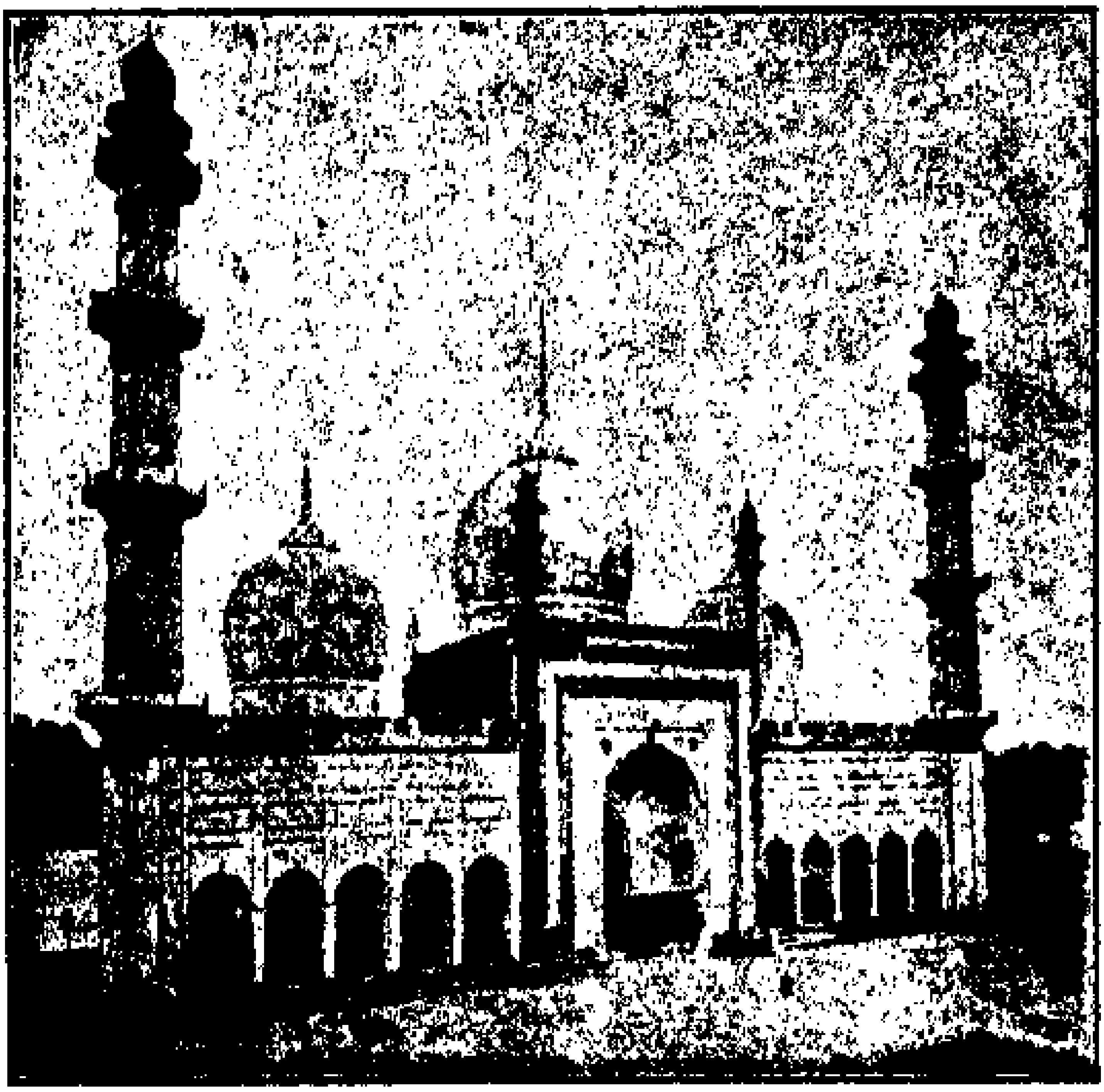

مسجد محمڈن کالج علی گڈھ

انتساب

یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب اجازت
اعلیحضرت بندگان عالی متعالی ہز ہائنس آصف جاہ
مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ
نواب میر سر عثمان علی خان بہادر
فتح جنگ جی سی ایس آئی، جی سی بی خلد اللہ
ملکہ و سلطانہ و ادام اقبالہ کے نام نامی و اسم
گرامی کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے۔

فہرستِ مضامین

صفحہ

مقدمہ

تمہید ۱
مثنوی کا نام ۸
سببِ نظمِ کتاب ۹
زمانۂ تصنیف ۱۳
واقعاتِ قصہ ۱۹
خضر خاں کا رشتہ دولرانی کے ساتھ ۲۹
خضر خاں کا رشتہ الپ خاں کی لڑکی کے ساتھ ۳۰
جشنِ شادی ۳۷
برات کا جلوس اور نکاح ۴۱
رخصت اور اُس کے متعلق رسمیں ۴۳
خضر خاں کا نکاح دولرانی کے ساتھ ۴۴
خضر خاں کا زوال ۴۸
قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی اور خضر خاں کا قتل ۶۰

	صفحہ
مثنوی کی خصوصیات	۷۳
ایک بہاریہ تمہید	۷۸
شاندار تمہیدیں	۷۹
خضر خاں کا قتل	۸۱
فلسفۂ شعر	۸۵
واقعہ نگاری	۸۸
واقعہ نگاری حقایق تاریخی میں	۸۹
واقعہ نگاری فرضی واقعات میں	۹۳
تشبیہات و استعارات	۹۶
ہندوستان	۹۹
اسلام کا غلبہ اور اس کی یکساں رونق تمام ہندوستان زمین	۱۰۱
ہندوستان کی زبان اور اس کی ترجیح دیگر زبانوں پر	۱۰۲
ہندی صرف و نحو	۱۰۳
معانی	۱۰۴
ہندوستانی کپڑے کی فوقیت	〃
پان	۱۰۵

صفحہ

آم اور انجیر ۱۰۵
ہندوستان کے پھول ۱۰۶
حسینانِ ہند کی ترجیح حسینانِ عالم پر ۱۰۹

متن

حمد ۱
مناجات ۵
نعت ۸
صفتِ معراج ۱۱
مدحِ شیخ ۱۵
ستایش خلیفۂ شائستہ ۱۶
خطاب زمیں بوسِ بادشاہ ۱۹
عرض صحیفۂ نصیحت ۲۱
حکایت موش ۲۹
سرگزشت ۳۶
سببِ نظمِ کتاب ۳۷
شرحِ تیغ زنی جمہورِ سلاطین ماضیۂ دہلی ۴۶
طلوعِ اکلیل علائی ۵۷

صفحہ

داستانِ حک شدنِ نقشِ کفر از سوادِ ہندوستان و حرفے چند از دیباچۂ عشق خضرؑ ۶۳
آغازِ اشتعالِ شعلۂ عشق ۷۸
غزل از زبانِ عاشق ۸۸
پاسخ از لبِ معشوق ۸۹
گرم شدنِ چشم و دلِ رانی در روئے شمس الحق ۹۱
حکایت ۱۰۲
غزل از زبانِ عاشق ۱۱۰
پاسخ از لبِ معشوق ۱۱۲
صفتِ مہتابے کہ پیشِ او مہر پردۂ ابرِ حیا بر رو کشید ۱۱۳
غزل از زبانِ عاشق ۱۲۴
پاسخ از لبِ معشوق ۱۲۶
صفتِ بہار و گلگشتِ باغ ۱۲۸
غزل از زبانِ عاشق ۱۳۸
پاسخ از لبِ معشوق ۱۳۹
جدائی میانِ عاشق و معشوق ۱۴۱
غزل از زبانِ عاشق ۱۴۹
پاسخ از لبِ معشوق ۱۵۰

صفحہ

صفتِ آرایشِ شہر و کشور برائے تزویجِ خضر خاں	۱۶۲
غزل از زبانِ عاشق	۱۶۳
پاسخ از لبِ معشوق	۱۶۵
صفتِ جلوۂ عروس	۱۶۶
غزل از زبانِ عاشق	۱۷۲
پاسخ از لبِ معشوق	۱۷۴
صفتِ داغہاے جدائی	۱۷۵
عتاب نامۂ دولرانی	۱۸۳
حکایتِ تمثیل	۱۸۶
جوابِ خضر خاں	۱۹۰
حکایت	۱۹۵
غزل از زبانِ عاشق	۱۹۹
پاسخ از لبِ معشوق	۲۰۰
صفتِ شبِ سیاہِ ہجرانِ خضر خاں	۲۰۱
حکایت بر طریقِ تمثیل	۲۰۶
غزل از زبانِ عاشق	۲۱۳
پاسخ از لبِ معشوق	۲۱۵

	صفحہ
ازدواج خضرخاں و دولرانی	۲۱۹
غزل از زبانِ عاشق	۲۳۰
پاسخ از لبِ معشوق	۲۳۱
خفتنِ بختِ بیدار خضرخاں	۲۳۳
نامۂ عتاب آمیزِ ظلّ اللہ سوے خضرخاں	۲۳۷
غزل از زبانِ عاشق	۲۵۴
پاسخ از لبِ معشوق	۲۵۵
عزم سلطانِ عالم سوے عالمِ دیگر و طلب کردنِ کافور روشنائی چشمِ خضرخاں	۲۵۷
غزل از زبانِ عاشق	۲۶۷
پاسخ از لبِ معشوق	۲۶۹
شہادت خضرخاں	۲۷۰
حکایت	۲۷۲
غزل از زبانِ عاشق	۲۸۹
پاسخ از لبِ معشوق	۲۹۰
پندِ فرزندِ خود	۲۹۲
خاتمۂ کتاب	۳۰۵
حکایت	۳۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

مقدمہ

مثنوی دولرانی خضرخاں جو حضرت امیر خسرو کی مثنویوں میں نہایت اہم اور دلچسپ کتاب ہے اور جو چند صدیوں سے ادبی دنیا میں عشیقہ کے نام سے زیادہ تر مشہور ہوگئی ہے اُس کی تصحیح و تنقیح کی خدمت عالیجناب نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر کے حکم سے خاکسار نے اپنی حیثیت اور لیاقت کے مطابق انجام دی یہ کام اگرچہ نہایت دشوار تھا اور میری بے سروسامانی اور بے بضاعتی کے علاوہ سخت حوصلہ شکن اور صبر آزما مشکلات اس دشوار گزار راہ میں متواتر حائل ہوتی رہیں لیکن خداوند تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ محض اُس کے فضل و کرم اور اُسی کی تائید و توفیق سے یہ کام اختتام کو پہنچا اور وہ وقت آیا کہ میں اُس کی نسبت چند لفظ بطور مقدمہ و تمہید کے ناظرین کی خدمت عالی میں عرض کروں۔

ترتیب و تصحیح کلیات خسروی کا کام اس قدر مہتم بالشان تھا کہ ہمارے مستند

ومسلم الثبوت علما و اُدبا کی ایک بڑی جماعت اس کے لئے کمربستہ ہوتی اور ملک کے علم دوست اور صاحب ذوق اشخاص اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی تائید کرتے اس لئے کہ حضرت امیر کے کلام پر قریباً سات صدیاں گزر چکی ہیں جن میں طرح طرح کے شور و فتن اور بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہندوستان کے علمی و ادبی مرکزوں میں مسلسل پیش آتے رہے ہیں۔ اس قسم کی عام شورشوں میں علوم و فنون کی تباہی، کتابوں اور کتب خانوں کی بربادی ایک لازمی بات ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس طویل زمانہ میں حضرت امیر کا کلام بوجہ عام مقبولیت کے کثرت سے نقل در نقل ہو کر بالکل مسخ ہو گیا ہے۔ جاہل کاتبوں اور نااہل مصححوں کے تصرفات نے اس کو ناقابل فہم بنا دیا ہے

ہر گز از چنگیز خاں بر عالم صورت نرفت

آں ستم کز کاتباں بر اہلِ معنی می رود

ایک کتاب کے مختلف نسخوں کا جب باہم مقابلہ کیا جاتا ہے تو وہ اکثر اہم غلطیوں میں متفق نظر آتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ باوجود کافی تلاش اور جستجو کے جو عالیجناب نواب صاحب بہادر چار سال سے فرما رہے ہیں اب تک کوئی نسخہ کسی کتاب کا دور مغلیہ سے اوپر کا دستیاب نہیں ہو سکا۔ ان حالات کی بنا پر سخت ضرورت تھی کہ ناقدانِ بصیر کی ایک جماعت اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیتی۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ اس کام کے شروع ہوتے ہی شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی، شمس العلما مولانا شبلی نعمانی، خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی، مولانا عبدالغنی خاں صاحب غنی فرخ آبادی جو آسمان علم و فضل کے آفتاب

وماہتاب تھے یکے بعد دیگرے تھوڑے فاصلہ سے رہگرای عالم جاودانی ہو گئے اور اس قحط الرجال کی وجہ سے جو ایک عرصہ سے ہماری قوم میں پایا جاتا ہے تنزل کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس خاکسار ہیچمیرز کو اس کام میں شرکت کی عزت دی گئی جیسا کہ حضرت امیر خسروؒ نے فرمایا ہے ؎

چو رو اندر غروب آورد خورشید　　　زند سیارہ لافِ ملکِ جاوید
چو شب سیارہ شد در ابر نایاب　　　چراغِ دشت گردد کرمِ شب تاب
چو شمعِ ماہ را کم شد زبانہ　　　بخورشیدی نشیند شمعِ خانہ

مدرسۃ العلوم علی گڑھ، حبیب گنج، حیدرآباد دکن، رامپور، بانکی پور، کلکتہ اور دہلی کے نسخوں سے مقابلہ ہو کر یہ نسخہ مرتب ہوا ہے۔ علی گڑھ کا پہلا نسخہ (جو غالباً سر سید مرحوم و مغفور کا نقل کرایا ہوا ہے اور اچھا مکمل نسخہ ہے) موجودہ ایڈیشن کی بنیاد قرار دیا گیا اس نسخہ کی نقل لے کر سب سے پہلا مقابلہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن کے نسخے سے (جو غالباً دسویں صدی کا لکھا ہوا تھا) دفتر نقل میں کرایا گیا۔ اس کے بعد میں نے رامپور پہنچکر وہاں کے تین نسخوں سے مقابلہ کیا۔ منشی سید محمد صاحب ملازم کتب خانہ رامپور جو ادب فارسی میں نہایت قابل شخص ہیں اور شاہیر شعراء عجم کے کلام پر ان کو کافی عبور حاصل ہے اس مقابلہ میں میرے ساتھ شریک تھے۔ منشی صاحب ممدوح کا حصہ اس مقابلہ میں سوائے شاذ و نادر صورتوں کے ہمیشہ قرات رہا ہے۔ جناب حافظ احمد علی خاں صاحب شوق سپرنٹنڈنٹ کارخانجات و اعلیٰ افسر کتب خانہ کی عنایت خاص و اجازت سے منشی صاحب

ممدوح کی معیت کی عزت مجھکو حاصل ہوئی تھی۔ رامپور کے دو نسخے یعنی سر و سٓا صحت کے اعتبار سے محض معمولی سے تھے لیکن تیسرا نسخہ یعنی سٓا اچھا تھا یہ نسخہ نہایت بیحد اور خطا شفیعا میں لکھا ہوا ہے۔ نقطے سوائے چند موقع کے تمام کتاب میں مطلق نہیں دئے گئے۔ اور پھر اُس پر طرّہ یہ کہ کتاب کرم خوردہ اور پیوند کار تھی جس کا پڑھنا دشوار تھا خاتمہ پر کاتب نے اپنا نام دُرگا پرشاد المتخلص بہ عاشق اور سنہ کتابت ۱۲۱۱ ہجری لکھا ہے اس نسخہ کی صحت میں کافی اہتمام ہوا ہے مگر بعض مقامات میں بطور ایجاد بندہ تصرفات[1] بھی معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اختلافات سے ناظرین کو معلوم ہو گا۔ مشکل اشعار پر کہیں کہیں حواشی بھی لکھے ہیں جو اکثر معقول ہیں اور خاتمہ کے آخر میں لکھا ہے: "در مقابلۂ ایں بسیار محنتہا کشیدم تا بر وفقِ دلخواہ صحیح کردم"۔ انھیں رامپوری نسخوں کے ساتھ ساتھ حبیب گنج کے نسخہ سے بھی جس کا اصطلاحی نام حؔ ہے اور نیز مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے دوسرے نسخہ سے بھی جو حال میں خریدا گیا تھا اور جس کا نام عؔ ہے مقابلہ میں وقتاً فوقتاً مدد لی گئی یہ دونوں نسخے محض معمولی ہیں اور ان میں کوئی قابل ذکر بات نہیں معلوم ہوتی۔

مقابلہ و تصحیح کا کام یہاں تک پہنچا تھا کہ تصانیف خسروی کی تلاش و جستجو کے سلسلہ میں مجھکو بہار و بنگال کا سفر پیش آگیا۔ حضور نواب صاحب کے حکم کے مطابق میں نے جب صفحے

---

[1] مثلاً اس شعر میں

بہ بیماری کہ بیکس مُردہ بد حال   بداں موری کہ در رہ گشت پامال

مصحح نے بجائے لفظ مور کے لفظ کرم بنا کر اپنی دانست میں تصحیح کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ کیونکہ اس نے سمجھا کہ بیمار کے مقابلہ میں کرم کا لفظ زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ مگر یہ بات اُس غریب کو معلوم نہیں تھی کہ حضرت امیر خسرو بعض اوقات لفظوں کے اجزاء سے بھی تناسب قائم کر دیتے ہیں اور اس شعر میں ایسا ہی ہوا ہے۔ لفظ بیمار کا ایک جزو مار ہے جس کے مقابلہ میں لفظ مور لایا گیا ہے اور مار و مور کا تقابل مسلّم

مسودے کے درست کرکے اور اُن کے اختلافات کو ترتیب دے کر مطبع کو سپرد کردے تاکہ کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے یہ مسودہ ۱۹۱ مطبوعہ صفحات میں ختم ہوا ہے۔ اس حصہ میں صرف وہی اختلافات دکھلائے جاسکے ہیں جو مندرجۂ بالا نسخوں کے مقابلہ میں پائے گئے۔ بانکی پور و کلکتہ وغیرہ کے نسخوں کا حوالہ ان ۱۹۱ صفحات میں ناظرین نہ پائیں گے مگر شاذ و نادر جو شاید کاپیوں یا پروفوں کی صحت کے اثنا میں اضافہ ہوا ہوگا۔

بانکی پور پہنچکر میں نے باقی مسودہ کو وہاں کے نسخہ سے مقابلہ کیا۔ سید سعادت علی خاں صاحب نے جو ہمارے اسکول کے ایک نہایت لایق فایق اور ہر دلعزیز معلّم ہیں اور جو اتفاقاً اُس وقت وہاں تشریف فرما تھے اس مقابلہ میں مجھکو بہت قیمتی مدد دی۔ بانکی پور کا یہ نسخہ ظاہری تکلفات اور تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نواب شہاب الدین احمد خاں گورنر صوبۂ گجرات کی فرمایش سے ۹۹۵ھ میں بمقام احمد آباد تیار ہوا اور میر محمد شریف وقوعی نیشاپوری نے نواب ممدوح کے حکم سے اس کی تصحیح کی جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:-

حسب فرمودۂ عالی حضرت فلک منقبت کیوان رفعت خان بالطف و احسان شہاب الدین احمد خان الحسنی ارقاہ اللہ علی مدارج العز و العلےٰ و اوصل عوائد فوائدہ الی اہل الصداقۃ و الولا در بلدۂ طیبہ احمد آباد بتاریخ ۴ شہر ذیحجہ ۹۹۵ھ باتمام رسیدہ مقابلۂ این نسخۂ شریفہ حسب الامر نواب مستطاب نامدار عالم مدار عدالت شعار شہاب ثاقب آسمان جاہ و جلال خجستہ فرخندہ بخت اوج دولت و اقبال ادام اللہ تعالیٰ ظلال اشفاقہ و احسانہ علی مفارق العالمین

الیٰ یوم آلا مال درخدمت سیادت ونقابت وشرافت انتباہ فضیلت دستگاہ فصاحت

وبلاغت شعار میر محمدؐ شریف وقوعی باتمام رسید سالع[1] عشر شہر سنہ مذکورہ۔ وانا الاالفن معلاً

الاآیس عماسوا حسین بن علی الحسینیؔ"

لیکن افسوس ہو کہ صحت کے اعتبار سے یہ نسخہ بھی کچھ بہتر ثابت نہیں ہوا اور خدا بخش لائبریری کی مطبوعہ فہرست کو دیکھکر جو خوش آیندہ توقعات میں نے باندھی تھیں ان میں سخت مایوسی ہوئی۔ شروع شروع میں کچھ نشانات تصحیح کے معلوم ہوتے ہیں لیکن آخر میں تو تغلیط کی نوبت پہنچ گئی ہو۔

کلکتہ میں تین نسخے میری نظر سے گزرے جن میں سے ایک نسخہ جس کا نام لف ہو امپیریل لائبریری میں ہو یہ نہایت ناقص اور غلط ہو۔ دو نسخے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہیں ایک کا نام صا ہو یہ نسخہ نہایت پرتکلف اور خوشخط ہے مگر صحت کے لحاظ سے معمولی ہے دوسرا نسخہ جس کا نام ک ہو کافی بدخط اور شکستہ حالت میں ہو البتہ اس کی صحت جیسا کہ حاشیہ کے نشانات سے معلوم ہوتا ہو کسی قابل شخص نے کی ہو۔ حواشی بھی کہیں کہیں لکھے ہیں جو معقول ہیں ان نسخوں کے ساتھ سرسری مقابلہ کیا گیا لیکن مشتبہ اشعار کو نہایت تدقیق کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکر ہے کہ یہ محنت بالکل ضائع نہیں گئی۔ آخر میں جبکہ کتابت اور ترتیب اختلافات کا بہت سا کام ختم ہو چکا تھا دو نسخے اور دستیاب ہوئے ایک نسخہ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج نے عطا فرمایا جس کا نام حم ہے

---

[1] یہ لفظ اصل میں مشکوک ہو بظاہر سابع معلوم ہوتا ہے ممکن ہو کہ تاسع ہو

اور دوسرا ہارڈنگ لائبریری دہلی سے آیا جس کا اصطلاحی نام د ہی ان میں سے بھی حتی الوسع مدد لی گئی۔ یہ دونوں نسخے صحت کے لحاظ سے بھی اچھے تھے۔ اگرچہ اوّل الذکر میں متعدد جگہ اوراق کم تھے اور اشعار بھی جابجا چھوٹے ہوئے تھے۔ ان نسخوں کے علاوہ فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی، منتخب التواریخ بدایونی، گلستان ہند اور تاریخ فرشتہ سے بھی کہیں کہیں مدد لی گئی ہے جن میں اس مثنوی کے اشعار بطور استشہاد کے نقل کئے گئے ہیں۔

کسی کتاب کو بارہ قلمی نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد جائز طور پر یہ توقع ہو سکتی ہی کہ کتاب تمام اسقام اور اغلاط سے بالکل پاک و صاف ہو گئی ہوگی مگر مجھے افسوس کے ساتھ یہ عرض دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالت میں اس کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور باوجود محنت اور کوشش کے جو حتی المقدور میں نے تصحیح و مقابلہ میں کی ہے ایک خاصی تعداد مشتبہ اشعار کی باقی رہ گئی جو مجھ سے حل نہیں ہو سکے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہی کہ یہ قلمی نسخے اگرچہ صورت میں سیرت میں خط میں زمانۂ کتابت میں مختلف ہیں لیکن جہاں جہاں اہم اور سخت قسم کی غلطیاں ہیں وہاں یہ سب نسخے بلا کسی استثنا کے متفق ہو جاتے ہیں اور اگر کہیں کچھ اختلاف پایا جاتا ہی تو وہ اختلاف نہ تو خود صحیح ہوتا ہی اور نہ صحت کی طرف رہبری کرنے والا ہوتا ہی۔ میرے نزدیک یہ تمام نسخے ایک ہی خاندان کے ہیں جن میں شرافت اور اصالت کا جوہر بہت ہی کم باقی رہ گیا ہے۔ ان نسخوں میں جو غلطیاں کاتبوں کے سہو اور مصحّحوں کے تصرفات سے زمانۂ مابعد میں واقع ہوئی تھیں

مجھکو کافی اعتماد ہے کہ ان سے ہمارا یہ نسخہ بالکل پاک و صاف ہو گیا لیکن جو غلطیاں کہ ان کو اپنے مورث اعلیٰ سے پہنچی ہیں اور جو نسلاً بعد نسل اولاد و احفاد میں منتقل ہوتی رہی ہیں ان کا دفعیہ کافی طور پر نہیں ہو سکا۔ اگر کبھی دوسرے خاندان کا کوئی نسخہ مل گیا تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ یہ اصلی غلطیاں بھی رفع ہو جائیں گی۔

مثنوی کا نام اس مثنوی کا نام ان متاخر صدیوں میں زیادہ تر مشہور عشیقہ ہے یورپین مستشرقوں نے بھی اپنی فہرستوں میں زیادہ تر یہی نام لکھا ہے۔ اکثر مؤرخین بھی جب اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو یہی نام لکھتے ہیں۔ عِشقیہ، عاشقیہ اور عاشیقہ نام جو بعض نسخوں میں پائے جاتے ہیں وہ صرف عشیقہ کی تصحیف ہے۔ محمد قاسم فرشتہ اپنی مشہور تاریخ میں جہاں کہیں اس کتاب کا حوالہ دیتا ہے تو اُس کا نام خضر خانی و دولدی رانی لکھتا ہے۔ نسخہ د میں کتاب کا نام سرورق پر صحیفۂ عشق لکھا ہے جو غالباً عنوانِ کتاب سے ماخوذ ہے۔ راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار نے اپنی کتاب گلستانِ ہند میں کہیں صرف خضر خانی اور کہیں خضر خانی دولرانی اور خضر خانی و دولرانی لکھا ہے بعض تحریروں میں اس کتاب کا نام آغازِ عشق اور منشورِ شاہی بھی دیکھا گیا ہے۔ آخر الذکر نام غالباً خاتمہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے ؎

بحمد اللہ کہ از عونِ الٰہی

بپایاں آمد ایں منشورِ شاہی

ان تمام ناموں کو بمنزلۂ حرفِ عام کے سمجھنا چاہیئے جو لوگوں کی زبانوں پر بوجہ اپنی سبکی اور خفت کے جاری ہو گئے ہیں کتاب کا اصلی نام جو مصنفِ علام نے تجویز فرمایا ہے

دولرانی خضرخاں ہے۔جیسا کہ فرماتے ہیں ؎

چونامِ خاں بنامِ دوست ضم شد فلک درظلِ ایں ہردو علم شد
خطاب ایں کتابِ عاشقی بہر دولرانی خضرخاں ماند در دہر
مبارک نقشِ ایں حرفِ درق مال بدومعنی مبارک میکند فال
یکے بہرت آنکہ اندر کامرانی خضرخا تا تو دولتھا برانی
دگرچوں لیلی ومجنوں بترتیب دولرانی خضرخاں کرد ترکیب
چو بود ایں نام محتاجِ بیانے بیاں کردن نمیدارد زیانے

ان اشعار میں حضرت امیر نے کتاب کا نام مع وجہ تسمیہ صاف طور پر بتا دیا ہے اس لئے اسی کو اصلی نام سمجھنا چاہیئے۔

سببِ نظمِ کتاب | اس مثنوی میں شاہزادہ خضرخاں اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کی عشق ومحبت کی تاریخی داستان ہے جو خود خضرخاں کی فرمایش سے نظم کی گئی ہے۔اور چونکہ ان ہندی الفاظ کا فارسی ترکیبوں کے ساتھ چسپاں ہونا دشوار تھا اس لئے حضرت امیر خسروؒ نے تعریب وتفریس کا عمل کرکے اس کو دولرانی بنا لیا ہے

اس کے سبب تالیف میں حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں کہ ایک نہایت ہی متبرک روز تھا جبکہ شاہزادہ خضرخاں نے مجھکو بلایا اور باوجود باشاہی شان وشکوہ کے میری خیراندیشی کے صلہ میں میری مزاج پرسی کی اور تواضع اور فروتنی کا اظہار فرمایا اور مجھکو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا اور اس مثنوی کے نظم کرنے کی فرمایش کی ؎

مبارک بامدادے کا خیز روز — شد از نور مبارک گیتی افروز

رسید اقبال پیشانی کشادہ — کلہ بالائے پیشانی نہادہ

دلم را گفت کاحسنت اے جوان بخت — کہ بر گردوں زدی اندیشہ را تخت

چہ گنج ست ایں کہ دادت خازن غیب — کہ در پشت نگوں کرد آسمان جیب

بفردوس ار زلال جاودان ست — زبان کلکت آں را ناودان ست

نماند از بس کہ دادندت بسینہ — کواکب را متاعے در خزینہ

بشارت میدہم کز پردۂ راز — درے کردہ ست دولت بہر تو باز

خضر دی مژدۂ دادہ است جانی — خضر خاں را بآب زندگانی

نہ آں آبے کزاں اسکندر روم — نہ بُد چوں آب خوردش ماند محروم

ازاں شربت کہ آمد زاہل گفتار — بعہد دوم اسکندر پدیدار

چنیں دانم کہ آں گویندہ جست — توئی واں آب حیوان گفتہ تست

رواں کن چشمۂ خود را بدانسوے — کہ ہست ایں چشمہ را زاں تشنہ زہ جوے

زہے بخت ارچناں فرخ نہالے — زجوئے خاطرت نوشد زلالے

حضرت امیر شاہزادہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دربار کا جاہ و جلال اور شان و شکوہ کا نقشہ حسب ذیل الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

مرا کاقبال خواند ایں مژدہ در گوش — زشادی پائے خود کردم فراموش

زہمت ساختم رخش فلک گام — بیک گنبد رسیدم بر نہم بام

ونیفیرہا

ہماں چشمہ کہ دریا بود در موج — بہمراہی شدہ با من دراں اوج
رسیدم تا بداں گلشن کہ جستم — چو گل بر چشمۂ امید رستم
معلا حضرتی دیدم فلک سائے — ملک صف بستہ و انجم صف آرائے
فلک بر کرسیِ بخشش نشاندہ — سعادت آیۃ الکرسیش خواندہ
فروغِ چہرہ نور افگندہ تا دور — چنانکہ از لوحِ محفوظ آیتِ نور
چو چشمِ من دراں خورشید شد گرم — چو مومِ روزگارِ سخت شد نرم
بجائے سودہ شد رو بر زمینم — کہ انجم رشک بردند از جبینم
دراں خدمت چو بسم اللہ شنیدم — دعائے سوے مسند در دمیدم
بروے سروراں چیدۂ ملک — با برو در حدیث آں دیدۂ ملک
دراں ابرو۔ دو چشمِ بندہ خسرو — چو چشمِ عید جویاں در مہِ نو
بہر کاں ماہِ نو خم گشت ناگاہ — مبارک باد گفتش خواجہ و شاہ
مرا باآں شکوہِ پادشاہی — بپرسش داد مُزدِ نیک خواہی
عزیزم داشت ہمچوں جم نگیں را — تواضع کرد چوں گردوں زمیں را
بہم گفتاریم داد احترامے — کہ دولت گفت بختم را سلامے

خضر خاں اپنا درد و سوز بیان کر کے قصہ کے نظم کرنے کی فرمایش کرتا ہے

چو گفت ایں بس نوازش کرد فرمود — کہ اے صد گنجِ معنی در تو موجود
ز نطقت یک سخن صد لولوے تر — ز کلکت یک شبہ صد کانِ گوہر

مرا در سر ز سودائے جوانی — خیالے ہست زاں گونہ کہ دانی
دلے دارم اسیرِ فتنہ جائے — مسلسل گشتہ در بندِ بلائے
ہمہ روزم چو مجنوں ماندہ در سوز — شبم در قصہ لیلیٰ شود روز
شدم گم در بیابانے بناگاہ — کہ آنجا خضر اول گم کند راہ
من آں خضرم کہ آبِ خضر دارم — ولیکن آب خوش خوردن نیارم
اگرچہ عالمست ایں دل دریں گل — دو عالم غم کجا گنجد دریں دل
چو غم را جا نماند اندر دلِ تنگ — بچہرہ نقش بستم ز اشک گلرنگ
ز تو خواہم کہ ایں افسانۂ راز — کہ گرد از رخنہائے سینہ در باز
چناں سنجی ز بہرایں دلِ تنگ — کہ در میزانِ دلہا کم شود سنگ
دلِ مردہ حیات از سر پذیرد — وگر کس زندہ دل باشد بمیرد
بود گاہِ غم و اندیشہ یارے — مرا دِ عالمے را غمگسارے

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ خضر خاں کے اشارہ سے ایک کنیز نے قصہ کا مسودہ لاکر میرے حوالہ کیا۔ جب اُس مسودہ پر میری نظر پڑی تو فوراً میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں نے اس حقیر خدمت کے انجام دینے کا شاہزادہ سے وعدہ کرلیا اور اُس مسودہ کو لے کر اپنے مکان کو واپس آیا اور فوراً اس مثنوی کو نظم کرنا شروع کردیا ؎

بفرمودا نگہے کاں نامۂ درد — نہانی محرمے سوئے من آورد
چو در چشم آمد آں دودِ جگر تاب — کشاد از دیدۂ من در رہاں آب

شدم پس سربلند از خدمتِ پست — نمودم رجعت ایں دیباچہ بر دست
من از ایں پس طراز ایں معانی — سوادِ حرف و سودائے نہانی

حضرت امیر خسرو ان تمام واقعات کو بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اگر اجل نے مہلت دی اور کوئی آسمانی آفت اس میں حائل نہ ہوگئی تو جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنا پورا زورِ طباعی اس مثنوی میں صرف کروں گا ؎

کنوں گر در بقا باشد درنگے — ق — بریں شیشہ نبارد چرخ سنگے
ز بخششہا کہ من در سینہ دارم — بریزم ہر چہ در گنجینہ دارم
بہنجارے نگارم نقشِ ایں درج — کہ چوں آبِ رواں گوہر شود خرج
نہ لافم بیش ازیں ناکردہ ترتیب — کہ گل نارستہ نتواں گفتن اطیب
چو آید نقشِ ایں دیبا بپایاں — بیابد خود برے کش ہست شایاں
خدا عمرم ببخشد تا بدانگاہ — کہ از گلگونہ بیروں آید ایں ماہ
چو ہست گرم گردم جلوہ سازش — کم از شہرے نباشد نرخِ نازش
ز شاہی کوست ایں بت را وفاجے — توانم خواست لائد ہدیۂ رُسے
خدایا دہ فراغ و زندگانی — کہ بینم ایں صنم را در جوانی
چو شد پروردہ ز آبِ خضر جانش — نپارم در کنارِ خضر خانش
کز آبِ لطف آں خضرِ زمانہ — بسر سبزی بماند جاودانہ

زمانۂ تصنیف | راجہ درگا پرشاد صاحب تعلقہ دار سندیلہ اپنی تاریخ گلستانِ ہند

دفتر دوم صفحہ ۱۳۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سلطان علاء الدین کو یہ خبر پہنچی کہ خضر خاں دولرانی کے عشق میں اس قدر دیوانہ ہو رہا ہے کہ لکھنے پڑھنے کی طرف اُس کو مطلق توجہ نہیں رہی تو اُس نے حکم دیا کہ دونوں جدا کر دئے جائیں یہ جُدائی دونوں پر بہت شاق گذری اور اُسی جوش و خروش میں خضر خاں نے امیر خسرو کو بُلا کر اس مثنوی کے لکھنے کی فرمایش کی۔ اس فصل میں چند اشعار ایسے موجود ہیں جن سے اس قسم کا شبہ ہو سکتا ہے مثلاً خضر خان کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

مرا در سر ز سودائے جوانی — خیالے ہست زانگونہ کہ دانی

ہمہ روزم چو مجنوں ماندہ در سوز — شبم در قصۂ لیلی شود روز

شدم گم در بیابانے بنا گاہ — کہ آنجا خضر او ل گم کند راہ

من آں خضرم کہ آبِ خضر دارم — ولیکن آب خوش خوردن نیارم

غالباً راجہ صاحب نے انھیں اشعار سے یہ واقعہ استنباط فرمایا ہی مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ حضرت امیر خسرو نے اس کتاب کے خاتمہ میں صاف طور پر لکھا ہی کہ چھ ذو القعدہ ۷۱۵ھ ہجری کو یہ مثنوی تمام ہوئی اور اس کی تصنیف میں چار مہینے اور چند روز صرف ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

بحمد اللہ کہ از عونِ الٰہی — بپایاں آمد ایں منشورِ شاہی

بقدرِ چار ماہ و چند روزے — فروزاں شد چنیں گیتی فروزے

جمال آراست ایں ماہِ دل افروز — ز ذو القعدہ دوم حرف و سوم روز